شیخ علی بخش بیمآر

از

(جناب عابد رضا خاں صاحب بیدار)

(ادارہ ادبیات اردو رام پور کے یوم بیمآر میں بیمار کی صد سالہ برسی کے موقع پر پڑھا گیا)

بیمآر کا اصل وطن آنولہ ضلع بریلی تھا۔ ۱۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے نساخ نے غلطی سے بیمآر کا نام الٰہی بخش لکھا ہے۔ صحیح نام علی بخش ہے والد کا نام شیخ غلام علی۔ معلوم ہوتا ہے شروع ہی سے ایک جگہ قیام نہیں رہا صاحب بزم سخن نے اسی وجہ سے انھیں "از مشاہیر سخنوران سنبھل" کہہ کر یاد کیا ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے بیمآر کو مصحفی کا شاگرد بنایا ہے سب سے پہلے یہ بات امیر مینائی نے ۱۲۹۰ھ میں کہی۔ مصحفی نے اپنا آخری تذکرہ ریاض الفصحا ۱۲۳۶ھ میں ختم کیا۔ اس میں کہیں بیمآر کا ذکر نہیں آیا۔ مصحفی کا انتقال ۱۲۴۰ھ میں ہوا اس وقت بیمآر کی عمر ۳۶ برس کی تھی اور تذکرہ لکھتے وقت ۳۲ برس۔ تعجب ہے کہ اتنی عمر کا ایک شاگرد اور مصحفی جیسا استاد اسے اپنے تذکرہ میں جگہ نہ دے بیمآر نے خود بھی کہیں اس کا اقرار نہیں کیا۔ مولانا حسرت موہانی نے بھی سلسلۂ مصحفی میں بیمآر کا نام نہیں لیا۔ نساخ نے "سخن شعرا" امیر مینائی کے تذکرے انتخاب یادگار (۱۲۹۰ھ) سے پہلے لکھا۔ اس میں صرف احمد خاں غفلت رام پوری کی شاگردی کا حوالہ ہے۔ امیر مینائی پر ہمارا شبہ کرنا بے جا ہوگا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مصحفی امیر مینائی کے استاد اسیر، کے استاد تھے۔ اور اس سے زیادہ کھلی ہوئی حقیقت یہ ہے کہ امیر مینائی اور اسیر نے ہی جب نواب کلب علی خاں صاحب کے حکم سے مصحفی کے دواوین کی اشاعت کا انتظام کیا تو مصحفی کے کلام میں ہر ممکن اصلاح دی گئی جس سے اس کے شعر کا مرتبہ بڑھ جائے محض لفظی ترمیم نہیں پورے پورے مصرعوں میں حیرت انگیز تبدیلی کردی گئی۔ ادبی دنیا مولانا عبدالسلام خاں کی ممنون ہے کہ انھوں نے اس جعل سازی کا پتہ لگالیا۔

رام پور آنے سے پہلے ہمیں بیمار کا کچھ حال معلوم نہیں۔ رام پور میں یہ نواب محمد سعید خاں کے زمانے میں آئے اور احمد خاں غفلت کی شاگردی اختیار کی۔ یہ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے۔ غفلت نے رام پور سے باہر مشاعروں میں شرکت کی۔ مصحفی نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ وہ مجھ سے لکھنؤ میں ملاقات کے لئے آئے اور یہاں کے مشاعروں میں بھی شریک ہوئے۔ ممکن ہے بیمار اور غفلت میں استادی شاگردی کا رشتہ رام پور آنے سے پہلے ہی استوار ہو گیا ہو۔ غفلت کا انتقال رام پور ہی میں ۱۲۵۹ھ میں ہوا اور نواب محمد سعید خاں ۱۲۵۶ھ میں تخت نشین ہوئے۔ رام پور میں ان کا ورود ۱۲۵۶ھ اور ۱۲۵۹ھ کے درمیان ہوا۔ ۱۲۷۱ھ میں ربیع الاول کی ۲۴ تاریخ بیمار کا انتقال ہو گیا اس طرح ان کی زندگی کے آخری ۱۴، ۱۵ سال رام پور میں گذرے۔

احمد خاں غفلت، قدرت اللہ شوق کے شاگرد تھے۔ شاعر تو وہ بہت کم تھے لیکن شاعر سے کہیں زیادہ استاد تھے رام پور میں ان کا وہی درجہ تھا جو لکھنؤ میں اس زمانے میں ناسخ کا تھا۔ یہ دونوں استاد ہم عصر اور ہم عمر تھے۔ غفلت قصیدہ اور مثنوی تو خوب کہتے تھے اس کی مصحفی نے بھی تعریف کی ہے لیکن غزل گوئی ان کے بس کی نہ تھی۔ غفلت کا رنگ ناسخ کا کچھ ترقی یافتہ رنگ کہا جا سکتا ہے بعض بعض جگہ آتش کا رنگ بھی آ جاتا ہے۔ ان کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

جوں شمع اُٹھ گلی سے تری میں جدھر چلا ‏ — شعلہ بغرق، داغ بدل، چشم تر چلا
لوہو کے چند قطرے پھر آنکھوں میں آ گئے ‏ — سمجھا تھا میں کہ زخم مرے دل کا بھر چلا
جو خون تھا سو اشک بہائے گیا عبث ‏ — جراح تو نہ رگ پہ مری نیشتر چلا
مجنوں میں جلد چلنے کی طاقت نہیں رہی ‏ — اے سارباں تو ناقہ کو آہستہ تر چلا
غفلت نے شکل ہجر نہ رکھی ہزار شکر ‏ — اُٹھ کر تو اپنے گھر کو چلا یاں یہ مر چلا

حاصل کنارہ کر چکے سیر جہاں سے ہم ‏ — جوں میل رو سیہ پھرے اس خاکداں سے ہم
گویا وہاں زمانے کا غفلت ہے سر گیں ‏ — سنتے نہیں ہیں داد کسی کی زباں سے ہم

بیمار نے یہ لکھا ہے:۔ نہ اصلاح جناب غفلت اے بیمار گر ہوتی ‏ — تو معنی بھی نہ رکھتا شعر کوئی تجھ سے نادان کا

کون ہے دنیا میں ایسا معتقد استاد کا　　جانتا ہے معجزہ بیمار غفلت کا سخن

لیکن بیمار کے یہاں غفلت کا رنگ سخن نہیں ملتا۔ جہاں کہیں وہ اس رنگ میں کہتا ہے ناسخ اور شاہ نصیر کا رنگ جھلکنے لگتا ہے مجموعی طور پر بیمار غفلت سے اچھا غزل گو ہے۔

نواب محمد سعید خاں کے زمانے کا رام پور شعرا اور علماء کی مجمع گاہ تھا۔ باہر کے شعرا میں میر حسین تسکین دہلوی اور شیخ علی بخش بیمار وغیرہ ملازم سرکار تھے رام پور کے شاعروں میں غفلت سے ہٹ کر اصغر علی خاں اصغر شاگرد مومن متوفی ۱۲۷۳ھ، نجف علی شفقت شاگرد شاہ نصیر متوفی ۱۲۷۱ھ عنایت شاگرد مومن ۱۲۶۸ھ، احمد خاں فاخر متوفی ۱۲۹۰ھ اور مولوی الہ داد طالب ۱۲۷۵ھ پیش پیش تھے بیمار یقیناً ان سب سے متاثر ہوئے ہوں گے یہاں خاص خاص شاعروں کا نمونہ کلام پیش کرنا مناسب ہوگا۔

اصغر رام پوری ؎

(۱) ؔ۱؎ عشق سے اک لحظہ بس نجات نہیں　　موت سے کم مری حیات نہیں

یوں تو نامہرباں نہیں ہو تم　　پر وہ پہلا سا التفات نہیں

بے وفا تیرے عہد کی مانند　　اب مرے صبر میں ثبات نہیں

میں ہی ملتا ہوں بے حیائی سے　　پوچھتا وہ تو میری بات نہیں

جان کھونے کے سوا کیا ہنر آتا ہے مجھے　　یہی آتا ہے مجھے کچھ اگر آتا ہے مجھے

دل میں اک قطرۂ خوں ہے نہ جگر میں ہے　　پاس بے رونقی چشم تر آتا ہے مجھے

میں تو دیتا ہوں دم اس قد قیامت زا پر　　پند گو آمد محشر سے ڈراتا ہے مجھے

عنایت رام پوری ؎

(۲) میری وفا مجھی کو سزاوار تو بتا　　تجھ سا اگر تجھے کوئی بیداد گر ملے

عدو کی جائے ہو کیوں کر کہو مرے دل میں　　خیال بھی تو تمہارے سوا نہیں آتا

تجھ پہ گذری سو گذری پر قاصد　　میرے خط کا جواب کیا لایا

فاخر رام پوری ؎

(۳) بے وقت ٹل گئے ترے اس آستاں سے ہم　　اے جاں یہ جانیے کہ گئے اپنی جاں سے ہم

اے ہم صفیر و ملبل بے تاب کی طرح　　نے خواہش بہار نہ شاکی خزاں سے ہم

ؔ۱؎ اصغر اور عنایت کی مستقل سکونت دہلی میں تھی۔ عنایت آخر میں رام پور آ گئے تھے۔ اصغر کبھی کبھی آتے تھے۔ کلام بالواسطہ اثر ضرور ڈالتا ہوگا۔

وہ جلوہ اپنا دکھلانے کو ظالم کم نکلتا ہے
یہاں پر انتظاری میں ہمارا دم نکلتا ہے

[illegible] (۴) کوچۂ یار میں مَیں نے تسکیں
پاؤں رکھا تھا کہ سر یاد آیا

ہر روز وہ ڈھونڈے ہے کوئی تازہ خریدار
صورت مری ہر روز بدل جائے تو اچھا

اے چشمِ سرمگیں تری گردش نے کیا کیا
راحت پذیر تھے ستمِ آسماں سے ہم

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

ہزار طرح سے کرنی پڑی تسلیِ دل
کسی کے جانے سے گو خود نہیں قرار مجھے

قاصد آیا ہے وہاں سے تو ذرا تھم تو سہی
بات تو کرنے دے اس سے دلِ بیتاب مجھے

خدا جانے عدو پر کیا بنے گی
پڑا ہے کام ان سے بدگماں سے

گماں ہے دل کو سب پہ نامہ بر کا
کہوں کس کس سے آتے ہو کہاں سے

انصاف کر خراب نہ پھرتا میں دربدر
ملتی جو تیرے گوشۂ خاطر میں جا مجھے

بے وجہ ہر اک بات پہ رنجش ہے ہمیں سے
دشمن پہ کبھی آپ کو غصہ نہیں آتا

اس بزم میں آتا نہیں توبہ کا ذرا پاس
ناصح تجھے ساقی نے دیا جام نہ ہوگا

[illegible] (۵) دل لگایا تھا دل لگی کے لئے
لگ گیا روگ جیتے جی کے لئے

نفسِ عیسوی نہ کر ممنون
ہم کو دو دن کی زندگی کے لئے

مر کے ہم نے تو سب کو دیکھ لیا
کوئی مرتا نہیں کسی کے لئے

ہم نے دشمن کیا جہاں اپنا
بے وفا تیری دوستی کے لئے

بیمارؔ کے رنگ کا تجزیہ کیا جائے تو اس میں تین چیزیں نمایاں طور پر نظر آئیں گی۔ ایک تو لکھنویت جس کے تحت ان کے یہاں رعایتِ لفظی، کنگھی چوٹی کے اشعار، دور از کار تشبیہیں اور رکاکت اور ابتذال ملتا ہے۔ ایسے اشعار کی تعداد کلام کا پانچواں حصہ ہے داغؔ سے پہلے بیمارؔ کے یہاں کہیں مصحفیؔ کے لہجہ میں کہیں بالکل داغؔ کے لہجہ میں وہی خیالات و مضامین وہی چستی اور ڈھیٹ ملتی ہے۔ اس قسم کے اکثر اشعار داغؔ کے رنگ میں داغؔ سے بہتر کہے گئے ہیں، یہ بیمارؔ

کا دوسرا رنگ ہے، تیسرا اور سب سے زیادہ قابلِ قدر رنگ وہ ہے جسے مومن اور غالب کا رنگ کہنا چاہئے، الفاظ کا رکھ رکھاؤ، خیالات کی بلندی، شعر میں بہت سے امکانات چھپا دینا، عالمگیر انسانی نفسیات کی ترجمانی، اسرار و رموزِ محبت کا تجزیاتی بیان یہ سب چیزیں ہیں جو بیمار کے سب سے اچھے اشعار میں ملتی ہیں۔

مومن ۱۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے، غالب ۱۲۱۲ھ میں۔ مومن نے ۱۲۶۸ھ میں انتقال کیا غالب نے ۱۲۸۵ھ میں۔ بیمار کا سال پیدائش ۱۲۰۰ھ ہے اور سال وفات ۱۲۷۱ھ مومن کے شاگرد رشید میر حسین تسکین نے رام پور ہی میں ۱۲۸۰ھ میں انتقال کیا ان کا سال پیدائش ۱۲۱۸ھ ہے۔ بیمار عمر کے اعتبار سے ان میں سب سے بڑے تھے۔ تسکین اور مومن بالکل ایک طرز میں کہنے والے تھے۔ بیمار کے سب سے اچھے اشعار غالب سے بہت کر مومن بلکہ کہنا چاہئے تسکین کے رنگ کے ہیں۔[1] رام پور میں یہ ستھرا مذاق طالب رام پوری میں ملتا ہے۔ بہت ممکن ہے بیمار نے تسکین کا رنگ پسند کیا ہو اور اسے جذب کر لیا ہو بہر حال یہ تو ناممکن ہے کہ دلی کے شاعروں نے رام پور میں رہنے والے ایک گمنام شاعر سے استفادہ کیا ہو۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ بیمار نے مومن یا تسکین کی تقلید کی ممکن ہے بیمار کی یہ اپنی اپج ہو ممکن ہے وہ بھی مومن اور غالب کی طرح نئی راہیں بنانے کا عادی ہو۔ تو یہ ہے بیمار کے رنگ کا تجزیہ، مختصر سے انتخاب سے اس کی قدر و قیمت واضح ہو جائے گی۔

بیمار کے شاگردیوں تو ایک درجن سے کچھ زیادہ ہی ہیں۔ لیکن احمد علی رسا رام پوری اور نظام رام پوری ایسے دو شاگرد ہیں جنھوں نے استاد کی لاج ہی نہیں رکھی بلکہ استاد کے ہر طرز پر اضافہ کیا۔ احمد علی رسا کا کلام نہیں ملتا۔ نظام کا کلام شائع ہو چکا ہے اور مولانا نیاز[2] اور پرنسپل عبدالشکور[2] ان پر خوب خوب لکھ چکے ہیں۔

بیمار کی تصنیفات سے دو قلمی چیزیں ہمیں مل سکی ہیں اور وہ دونوں رضا لائبریری رام پور

---

[1] میر حسین تسکین اور ان کا کلام از عابد رضا بیدار معارف جنوری ۱۹۵۳ء [2] نگار ۱۹۲۳ء انتقادیات

میں موجود ہیں ایک ان کا دیوان جس میں ۶۰۰ اشعار غزل اور ایک معمولی قصیدہ ولی عہد بہادر (غالباً نواب یوسف علی خاں ناظم) کی تعریف میں ہے دوسرے ، طلسم بیضا نام کی ایک داستان ہے جسے بقول بیمار فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے اور جو بوستان خیال کا خلاصہ ہے اس میں بھی کوئی خاص بات نہیں یہ داستان نثر اردو میں ہے تذکرہ نویسوں نے غلطی سے اسے منظوم داستان کہا ہے یہ غلطی صاحب گلستانِ سخن اور صاحب خمخانۂ جاوید سے ہوئی ہے ۔

کلام بیمار کا مختصر سا انتخاب پیش کیا جاتا ہے ۔

نہ بناتا جو دن جدائی کا — کیا بگڑتا تری خدائی کا
کل تھے رندی کے مجتہد بیمار — آج دعویٰ ہے پارسائی کا
وحشتِ دل نے پھر نکالے پاؤں — پھر تحمل کا اختیار اُٹھا
پھر جنوں فصلِ گل میں لایا رنگ — پھر میں ہونے کو شرمسار اٹھا
کون پرساں ہے حالِ بسمل کا — خلق منہ دیکھتی ہے قاتل کا
کبک اس منہ سے اس کو کیا نسبت — داغ تو دیکھ ماہ کامل کا
لبِ جو کون سیر کو آیا — موج منہ چومتی ہے ساحل کا
سانس آہستہ لیجیو بیمار — ٹوٹ جائے نہ آبلہ دل کا
تقریر جس گھڑی لبِ مطلب تک آگئی — بہکا یہ قصہ خواں کہ فسانہ بدل گیا
پتھر پڑیں سپہر ترے انقلاب پر — گو رنگ بزم خانہ سجانہ بدل گیا
نغمہ قفس میں نالۂ بلبل نہ ہو سکا — نوحہ سے لاکھ بار ترانہ بدل گیا
مسجد میں پی شراب پڑھی دیر میں نماز — بیمار کو شعور کسی بات کا نہیں
مٹا نہ داغِ خزاں عندلیب کے دل سے — ہزار باغ میں موسم بہار کا پہنچا
کہاں تک اہلِ وفا ضبطِ آہ کا یارا — کہ انتہا کو ستم اب تو یار کا پہنچا

روئیں ترے ستم سے بھلا کس کے سامنے | اتنا بھی تو کوئی نہیں کہتا برا ہوا

محتسب پوچھ مرے پرستوں سے | نام آمرزگار ہے کس کا

بزم میں وہ نہیں اٹھاتے آنکھ | دیکھنا ناگوار ہے کس کا

جب باعثِ کلامِ ترش پوچھتا ہوں میں | کہتے ہیں وہ کہ رنگِ محبت کھلا نہیں

سنگِ درِ حرم مرے سجدوں سے گھٹ گیا | تو بھی نشانِ قشقہ جبیں سے مٹا نہیں

بیمار اور اس کے سوا کچھ نہیں خبر | اچھا ہوا ہوں حادثۂ ناگہاں کے ساتھ

جنت میں حیاتِ ابدی خاک ملے گی | دنیا میں تو مانگے نہ ملی موت خدا سے

تقریبِ یار کا شکوہ زباں پہ آجاتا | بھلا ہوا جو مرے دل نے کی دغا مجھ سے

عذابِ آتشِ فرقت سے کانپتا تھا دل | ہزار شکر جہنم ملا سزا کے لئے

سن کر معاش ترے اہلِ نیاز سے | لایا جو تھا وہ بھول گئی التجا مجھے

دیتا ہے طمع حور صنم تیرے سامنے | واعظ خطا شعار نے سمجھا ہے کیا مجھے

رہ بدگماں کہاں ہیں کہاں محفلِ نشاط | بزمِ عزا میں بھی نہیں ملتی ہے جا مجھے

٭ کہتا ہوں اضطراب میں دشمن سے حالِ دل | اپنا مآلِ کار نہیں سوجھتا مجھے

فتنے جو کچھ اٹھے ترے اغماض سے اٹھے | اے دوست دشمنوں سے بھلا کیا گلا مجھے

٭ پورا مصرع تسکین کے یہاں نظر آتا ہے

مزے یہ دیکھے ہیں آغازِ عشق میں تسکیں

کہ سوجھتا نہیں اپنا مآلِ کار مجھے

ختم